JAHAN E TAHQEEQ
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.3 2021

جرم وسزائے ارتداد پر عقل ومنطق کے شبہات کا تحقیقی جائزہ

گلزار احمد*

حافظ محمد طاہر عطار**

آصف جاوید***

حافظ انتظار احمد****

ہمارے عہد کا جدید ذہن عموماً احکام شریعت کی فلسفیانہ تعبیر سے مطمئن ہوتا ہے اور کسی حکم کی معقول توجیہہ نہ پا کر اس سے متعلق عدم اطمینان کا اظہار کر دیتا ہے چنانچہ سزائے ارتداد کے باب میں بھی جدید ذہن کے یہی شبہات ہیں کہ نفس مسئلہ کا قرآن وسنت سے اثبات اپنی جگہ ایک مسلم حقیقت ہے مگر سوال یہ ہے کہ عقل ومنطق کے کن دلائل کی بنا پر سزائے ارتداد کا معقول ہونا ثابت کیا جائے گا؟ اور سزائے ارتداد کے باب میں عقل ومنطق کے پیش کردہ شبہات کا معقول جواب کیا ہوگا؟ زیر قلم مضمون میں سزائے ارتداد سے متعلقہ عقل ومنطق کے انہی شبہات کا تجزیاتی مطالعہ اور معقول جواب پیش خدمت ہے:

مرتد اور کافر کے ساتھ معاملہ مختلف کیوں ہے؟

عقل ومنطق کے باب میں، سزائے ارتداد کے منکرین کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ جو اسلام ابتدا میں کسی شخص کو کافر کی حیثیت میں برداشت کرتا ہے، وہ اپنی ریاست میں کسی مرتد کو کیونکر گوارا نہیں کرتا؟ کسی کے ابتداءً کافر ہونے اور اسلام سے مرتد ہو کر کافر بن جانے میں آخر کیا فرق ہے کہ اسلامی قانون کی نگاہ میں پہلی قسم کا کفر، قابل برداشت ہے کہ اس کافر کو ذمی بنا کر اسلامی ریاست میں تمام شہری حقوق حاصل ہوتے ہیں مگر دوسری قسم کا کفر، ناقابل برداشت ہے کہ کسی مرتد کو زندگی کے تمام حقوق سے محروم کر کے تختہ دار پر لٹکا دیا جاتا ہے؟ منکرین سزائے ارتداد کے نزدیک علمائے اسلام کا یہ تصور انتہائی غیر معقول ہے کہ اسلام کے فوجداری قانون میں، ایک مستقل کافر کا جرم کسی مرتد کے جرم سے کم تر ہے اور ایک مرتد کسی کافر سے زیادہ قصوروار ہے۔[1]

اسلام کے فوجداری قانون کی نگاہ میں کسی مرتد کا جرم ارتداد لاکھوں افراد کے جرم کفر سے زیادہ سنگین جرم ہے اور اس کا باعث یہ ہے کہ ایک کافر اصلی مبتلائے کفر ہونے کے باوجود، دین وملت کا غدار نہیں ہوتا جبکہ مرتد اپنے ارتداد میں مبتلائی کفر ہونے کے ساتھ ساتھ غداری کا بھی مرتکب ہوتا ہے، جس کی بنا پر وہ دنیا و آخرت میں عبرتناک سزا کا مستحق بنتا ہے، مگر ایک کافر کو اپنے جرم کفر کی بنیاد پر عذابِ آخرت سے دوچار ہونا پڑے گا، وہ سزائے دنیا کا مستوجب نہ ہوگا۔ جناب منظور احسن عباسی نے یہ فرق، ایک مثال کے ذریعہ واضح کیا ہے کہ کیا عراق کا اسلحہ والا طرزِ عمل، ہم اہل پاکستان کے دل میں انڈیا کے طرزِ عمل سے کہیں زیادہ المناک نہیں ہے؟ اور کیا مجیب نامی ایک شخص کی پاکستان سے برگشتگی، سورن سنگھ کی برگشتگی سے ہزار درجہ بڑھ کر حوصلہ شکن نہ ہے؟ کوئی باشعور پاکستانی اس سنگین صورتِ حال سے آنکھیں بند نہیں کر سکتا چنانچہ ہمارے نزدیک ایک مسلمان کا مرتد ہو جانا، لاکھوں کفار کے کفر سے بڑا جرم ہے اور کسی مسلم کو اس شرط پر ارتداد کی اجازت دینا محال ہوگا کہ اس کے عوض لاکھوں کافر مسلمان بننے کو تیار ہیں۔[2]

ڈاکٹر عثمان علی حسن رقم طراز ہیں:

"فما الحاجة لاظهار الردة؟ و هناك الحرية العامة للحوار والنقاش، فان كانت لدى مريد الردة شبهة، و هو طالب الحق، فليعرفها على من شاءمن اهل الاختصاص و ليحاوره فيها قبل ان يتخذها موقفا، اما اظهاره الردة

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور
** ریونیو آفیسر، ریونیو ڈیپارٹمنٹ حکومت پنجاب
*** پی ایچ ڈی سکالر، ادارہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان
**** پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ وسیرت چیئر، یونیورسٹی آف اوکاڑہ، اوکاڑہ، پاکستان

[1]۔ The Punishment of Apostasy in Islam, by Justice A.S. Rehman, P-116

[2]۔ منظور احسن عباسی، جرم ارتداد اور اس کی اسلامی سزا، اسلامی مشن، سنت نگر لاہور، 1874ء 95

مباشرة فيعد خيانة لنظام الدولة، و من حقها ان تعاقب عليه۔"[3]

"ارتداد کے اظہار کی کیا ضرورت ہے؟ مباحثہ اور مکالمہ کی عام آزادی ہے، اگر اسے کوئی شبہ لاحق تھا اور وہ حق کا متلاشی تھا تو اسے اپنا شبہ، اہل علم کے سامنے پیش کرنا اور اسے موقف بنانے سے قبل اس پر مکالمہ کرنا چاہیے تھا۔ شبہ کے فوری بعد ہی ارتداد کا اظہار کر دینا اسلامی ریاست کے نظم سے غداری ہے اور اس پر اسے سزا دینا اسلامی ریاست کا حق ہے۔"

مولانا مودودیؒ کے نزدیک کسی مرتد اور کافر کے معاملہ میں فرق کا باعث یہ ہے کہ انسانی فطرت میں بھی نہ ملنے والا اور مل کر الگ ہو جانے والا برابر نہیں ہوتے۔ مل کر الگ ہو جانا، عداوت اور نفرت کے جذبات کو لازم ہوتا ہے کیونکہ اس کے ساتھ اخلاقی اور تمدنی رشتے قائم ہو چکے ہوتے ہیں چنانچہ افتراق کے بعد یہ جن نقصانات اور فتنوں کا موجب بنتا ہے، کبھی نہ ملنے والا قطعی طور پر ان فتنوں اور نقصانات کا باعث نہیں ہوتا ہے۔ یہی باعث ہے کہ انسان اپنی فطرت میں ہمیشہ ہی سے مذکورہ دو قسم کے افراد کے ساتھ بالکل مختلف نوعیت کا برتاؤ کرتا آیا ہے۔ ایک فرد کی سطح پر اتصال کے بعد افتراق کا نتیجہ محدود ہوتا ہے مگر اجتماعی سطح پر یہ افتراق بڑے نقصان کا باعث بنتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے افراد کے خلاف سخت کارروائی ناگزیر ہو جاتی ہے۔ مولانا کا خیال ہے کہ دنیا کے تمام شعبوں میں یہی دستور ہے کہ ان میں شامل نہ ہونے والا اور شامل ہو کر الگ ہو جانے والا یکساں برتاؤ کے مستحق نہیں ہوتے بلکہ دوسری قسم کے افراد کو، کسی نہ کسی نوع کی سزا دے کر، نظام میں واپس آنے پر مجبور بھی کیا جاتا ہے۔ مولانا مودودیؒ رقم طراز ہیں:

"جماعتی نظم اپنی کامیابی کیلئے فطرۃً استحکام کا مقتضی ہوتا ہے اور یہ استحکام، سراسر اس بات پر منحصر ہوتا ہے کہ جن عناصر کے ملاپ سے یہ نظم وجود میں آیا ہے، ان کے ملاپ پر زیادہ سے زیادہ اعتماد کیا جاسکے۔ اجتماعی نظام اس امر پر قطعی مجبور ہیں کہ واپس جانے والوں پر اپنے دروازے بند کر دیں اور اپنے اجزائے ترکیبی کو منتشر ہونے سے باز رکھیں۔ مستحکم اور قابل اعتماد افراد حاصل کرنے کا اس سے زیادہ کامیاب ذریعہ اور کوئی نہیں ہے۔"[4]

جناب عبدالعظیم مطعنی لکھتے ہیں:

"ان عضوا اذا فسد فی جسم الانسان، و خشی منه سراية الفساد الى بقية الاعضائ، بادر الاطباء الى بترة، والمسلم اذا ارتد و ترک یروح و یجیئی بین افراد المجتمع الاسلامی کان منطنة ان یسری الفساد منه الى غيره، و ضعاف الایمان لا یخلوا منهم مجتمع مسلم۔"[5]

"انسانی جسم میں جب کوئی عضو فاسد ہو جاتا ہے اور اس سے یہ خطرہ پیدا ہوتا ہے کہ باقی اعضاء میں بھی فساد سرایت کر جائے گا، ڈاکٹر اسے فوری کاٹ دیتے ہیں۔ جب کوئی مسلم ارتداد کا مرتکب ہوتا ہے اور اسلامی معاشرہ کے افراد میں رہتا ہے، یہ ظن غالب پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کا فساد دیگر میں بھی سرایت کرے گا کیونکہ کمزور ایمان افراد سے کوئی مسلم معاشرہ بھی خالی نہیں ہوتا۔"

کیا سزائے ارتداد سے نفاق پرورش پائے گا؟

سزائے ارتداد پر منکرین کی جانب سے ایک اعتراض یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ ارتداد کی سزا کسی مسلم سماج میں نفاق کا باعث بنے گی کیونکہ سزائے موت کے خوف سے جو شخص بھی ارتداد سے تائب ہو کر ایمان کا اظہار کرے گا، اس کا یہ اظہار رائے بہرحال ایماندارنہ نہیں ہوگا بلکہ محض ایک قسم کا منافقانہ اظہار رائے ہوگا۔ اس کا باعث یہ ہے کہ جبر و قہر کی بنیاد پر کوئی عقیدہ، کسی کے دل میں سرایت نہیں کرتا خصوصاً اسلام جیسا غور و فکر کی دعوت دینے والا دین، کسی قسم کی منافقت کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ تلوار کے خوف سے بے اطمینانی میں زندہ رہنا ایک قسم کی منافقت ہے اور اسلام کسی کا صریح کفر برداشت کر سکتا ہے مگر منافقت گوارہ نہیں کر سکتا۔ اس قسم کے ظاہری اسلام کا آخرت میں کوئی فائدہ ہوگا اور نہ مسلم سماج کے صالح عناصر ہی میں اس سے کوئی اضافہ ہو سکے گا چنانچہ ارتداد کی سزا نہایت غیر معقول ہے۔[6]

جن حضرات کا یہ خیال ہے کہ سزائے ارتداد سے نفاق پرورش پائے گا اور مسلم سماج میں کسی کا مرتد بن کر زندہ رہنا، اس کے منافق بن کر زندہ رہنے سے بدرجہا بہتر ہے اور وہ اس کا علاج یہ تجویز کرتے ہیں کہ ارتداد کے ذریعہ کافر بننے کا دروازہ کھلا رہنے دیا جائے اور سزائے ارتداد کے ذریعہ منافق بننے کا دروازہ بند کر دیا جائے، ان کی خدمت میں، تفہیم مسئلہ کی غرض سے کسی صاحب نے ایک مثال پیش کی جا رہی

---

[3]۔ عثمان علی حسن، ڈاکٹر، الحرية الدينية وعقوبة الردة: 217، مناقشات ورود، مكتبة المهتدين الاسلامية لمقارنة الاديان، قطر، س۔ن

[4]۔ مرتد کی سزا اسلامی قانون میں، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور، اپریل 1970ء: 66

[5]۔ عقوبة الارتداد عن الدين بين الادلة الشريعة وشبهات المنكرين :١٩، مطعني، عبدالعظيم ابراهيم، الدكتور، الطبعة الاولىٰ، مكتبة وهبة، القاهرة، 1414ھ

[6]۔ الاسلام دين الفطرة والحرية: 144؛ قتل مرتد کی شرعی حیثیت: ٩٨، طارق، رحمت اللہ، ادارہ ادبیات اسلامیہ، پاک گیٹ صرافہ بازار، ملتان، 2001ء

ہے کہ جیسے کسی شہر میں فحاشی کے قحبہ خانہ جات اعلانیہ قائم ہوں، اسلامی ریاست انہیں بند کرنا چاہتی ہو اور کوئی خیر خواہ یہ تجویز پیش کردے کہ فحاشی کے اعلانیہ اڈوں کو بند کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ فحاشی کے خفیہ اڈے کھول رہے ہیں چنانچہ بہتر یہی ہے کہ فحاشی کے اعلانیہ اڈے قائم رہنے دیں تاکہ اس کے خفیہ اڈوں کا قیام عمل میں نہ آسکے۔ بالکل یہی حال سزائے ارتداد کے منکرین کا بھی ہے جو اس خطرے کا اظہار کرتے ہیں کہ مرتدین پر سزا کے نفاذ سے مسلم سماج میں نفاق کا دروازہ کھل جائے گا ان کے نزدیک اس کا حل یہ ہے کہ ارتداد کا دروازہ کھلا رہنے دیا جائے اور نفاق کا دروازہ بند کردیا جائے گویا نفاق کے خدشہ سے بہتر یہ ہے کہ ارتداد کی اعلانیہ اجازت دی جائے۔[7]

مقالہ نگار کی رائے میں، سزائے ارتداد کے نفاذ سے مسلم سماج میں نفاق پروان نہیں چڑھے گا بلکہ اس سے ایمان مضبوط ہوگا کیونکہ اس قانون کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ جو شخص بھی مسلمان ہوگا، وہ خوب سوچ سمجھ کر مسلمان ہوگا کہ جس مذہب کے دامنِ عافیت میں وہ پناہ گزین ہو رہا ہے، وہ اس کے حق میں سراسر رحمت وبرکت کا موجب ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہوگا کہ اس سے ارتداد کی صورت میں سرمو انحراف کرنا، دنیا و آخرت میں نقصان کا باعث بنے گا چنانچہ اس ذہن کے ساتھ مسلمان ہونے والا، جملہ نفسانی خواہشات سے پاک اور تمام دنیوی مفادات سے بالا ہو کر مسلمان بنے گا اور ان شاءاللہ، اپنی بقیہ حیات میں پختہ اور مضبوط ایمان کا حامل ثابت ہوگا۔

نفاق کے خدشہ کو بہانہ بنا کر سزائے ارتداد میں ڈھیل دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ اسلام بازیچہ اطفال بن جائے گا اور مسلم سماج کا ایک فرد بھی شکوک وشبہات سے مامون نہ رہ سکے گا اور وہ ارتداد کی متلون مزاجی سے دیگر افراد معاشرہ کیلئے فتنہ وفساد کا باعث بنتا رہے گا۔[8]

سزائے ارتداد کو یہ معانی پہنانا درست نہیں ہے کہ اسلام میں کسی شخص کو موت کا خوف دلاکر، منافقانہ روش اختیار کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے تلون کے مریض پر ابتدا ہی سے یہ دروازہ بند کردیا ہے کہ نظریہ حیات تبدیل کرنا کوئی تفریح طبع کا کام نہیں ہے ہم پہلے ہی سے مطلع کردینا چاہتے ہیں کہ دخول اسلام کے بعد، ارتداد کی سزا موت ہے تاکہ لوگ غور وفکر کے بعد اسے قبول کریں اور وہی لوگ اسلام میں داخل ہوں، جو اپنی رائے اور سیرت میں استحکام رکھتے ہوں، اس کے باوجود بھی جو غیر سنجیدہ لوگ ارتداد کے مرتکب ہوتے ہیں، وہ اپنا نقصان آپ کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں اسلام کا کوئی قصور نہیں ہے۔ مولانا مودودیؒ رقم فرماتے ہیں:

> "بلاشبہ ہم نفاق کی مذمت کرتے ہیں اور اپنی جماعت میں ہر شخص کو صادق الایمان دیکھنا چاہتے ہیں مگر جس آدمی نے اپنی حماقت سے خود اس دروازے میں قدم رکھا، جس کے متعلق اسے معلوم تھا کہ وہ جانے کیلئے کھلا ہوا نہیں ہے، وہ اگر نفاق کی حالت میں مبتلا ہوتا ہے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے، اس کو اس حالت سے نکالنے کی خاطر ہم اپنے نظام کی برہمی کا دروازہ نہیں کھول سکتے۔ وہ اگر ایسا راستی پسند ہے کہ منافق بن کر نہیں رہنا چاہتا بلکہ جس چیز پر ایمان لایا ہے، اس کی پیروی میں صادق ہونا چاہتا ہے تو اپنے آپ کو سزائے موت کیلئے کیوں پیش نہیں کرتا؟"[9]

سزائے ارتداد کے خوف کا لازمی نتیجہ، نفاق کی صورت ہی میں رونما نہیں ہوتا بلکہ کوئی شخص اپنے ظاہر وباطن سے مومن کامل بھی بن سکتا ہے اور یہی وصف اسلام کو مطلوب بھی ہے ورنہ اسلام سے پہلے بھی بہت سے منافقین کو مسلم سماج میں گوارہ کیا جاتا رہا ہے، جو ارتداد کے بعد موت کے خوف سے منافق نہیں بنے ہیں بلکہ اپنی نہاد اول ہی سے منافق رہے ہیں اور اسلام نے قانونی اعتبار سے ان کے ساتھ ہمیشہ مومنین جیسا ہی برتاؤ کیا ہے۔ لہذا مسلم سماج میں اسلام کو جب، غیر مرتد منافقین گوارہ رہے ہیں، تو ارتداد کے بعد موت کے ڈر سے منافق بننے والا ایک اور اضافہ بھی قابل برداشت ہو جائے گا، اس سے اسلام کو کچھ فرق نہ پڑے گا مگر کسی کلمہ گو سے اسلام کو نفاق نہیں بلکہ ایمان مطلوب ہوتا ہے اور کسی مرتد سے بھی توبہ کے بعد ہم، ایک بندہ مومن بننے کا مطالبہ ہی کرتے ہےں۔

کیا سزائے ارتداد آزادی ضمیر کے خلاف ہے؟

سزائے ارتداد کے منکرین کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ اس سے حریت فکر اور آزادی ضمیر پر قدغن عائد ہوجاتی ہے حالانکہ کسی نظریہ کے ردوقبول میں ہر شخص آزاد ہے اور اسے مطمئن ہونے پر کسی چیز کو اختیار کرنے کا اور غیر مطمئن ہونے پر کسی چیز کو ترک کرنے کا حق حاصل ہے اور کسی نظریہ کے اخذ وترک کا یہ حق، جیسے ابتداء میں اسے حاصل ہوتا ہے، کسی نظریہ کے اخذ وقبول کے بعد اسے ترک کرنے کا حق بھی اسے حاصل ہونا چاہیے۔ جو شخص کسی نظریہ کو قبول کرنے کے بعد اسے ترک کرتا ہے، وہ اسی بنا پر اسے ترک کرتا ہے کہ اس کے برحق ہونے کا جو یقین اسے حاصل تھا وہ اب ختم ہو چکا ہے اور اس صورت میں نظریہ ترک کرنے پر اسے تختہ دار پیش کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ اسے دلائل سے قائل کرنے کی بجائے موت کا خوف دلاکر رائے تبدیل کرنے پر مجبور کیا جارہا ہے اور یہ طرزِ عمل، آزادی ضمیر اور

7۔ عقوبۃ المرتد فی الشریعۃ الاسلامیہ: 113

8۔ جرم ارتداد اور اس کی اسلامی سزا: ۱۲۱، عباسی، منظور احسن، اسلامی مشن، سنت نگر لاہور، 1974

9۔ مرتد کی سزا، اسلامی قانون میں: 50، مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور، اپریل 1970

حریتِ فکر کے سراسر خلاف ہے۔[10]

انسانی حقوق کے باب میں سمجھنے کا انتہائی اہم نکتہ یہ ہے کہ جدید تہذیب کے دین کا نام سیکولرازم ہے اور جس طرح اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے، بالکل اسی طرح سیکولرازم بھی ایک مکمل نظام حیات ہے مگر دونوں نظام ایک دوسرے کی ضد ہیں چنانچہ اسلامی نظام کی رو سے جو چیز حلال ہے، علمانی نظام کے نزدیک وہ حرام ہے اور جو کام اسلامی نظام حیات میں حرام ہے، علمانی نظام حیات میں وہ حلال ہے مثلاً اسلامی نظام میں شرک حرام ہے مگر علمانی نظام میں شرک حلال ہے، اسلامی نظام میں شراب حرام مگر علمانی نظام میں حلال ہے، اسلامی نظام میں تعدد ازواج حلال مگر علمانی نظام میں حرام ہے۔ انہی امثلہ پر ہی کیا موقوف، زندگی کے تمام سیاسی، اقتصادی اور اجتماعی گوشوں میں اسلام اور سیکولرازم دو متضاد افکار اور متعارض تصورات کے حامل نظام ہیں اور ارتداد کا مسئلہ بھی حلت و حرمت کے اسی قبیل سے تعلق رکھتا ہے۔[11]

علمانی نظام میں خرابی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس نے حریت فکر اور آزادی عمل پر حقوق انسانی کا دارومدار رکھا ہے اور تمام اعمال کو حریتِ فرد کی عینک سے دیکھا ہے، جس کے نتیجہ میں معاشرہ کے عمومی حقوق متاثر ہوئے ہیں بلکہ معاشرہ کو اجتماعی سطح پر اس کے بھیانک نتائج بھگتنا پڑے ہیں مگر اسلامی نظام کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس نے فرد کو ایک حد تک آزادی فکر و عمل کا حق دیا ہے مگر جونہی اس حریت سے معاشرہ اجتماعی حیثیت میں متاثر ہو گا یا اس کے متاثر ہونے کا امکان پیدا ہو گا، اس کے سدباب کی خاطر اس فرد کے خلاف قانون فوراً حرکت میں آئے گا۔ جرم ارتداد کو بھی فرد و اجتماع کے اسی تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے اور مقالہ نگار کی رائے میں عمل ارتداد محض، حریت فکر یا آزادی ضمیر ہی کا معاملہ نہیں ہے یا فعل ارتداد مجرد، ایک خیال کو ترک کر کے دوسرا خیال اپنانے ہی کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ ارتداد اس نظریہ حیات میں تبدیلی کا نام ہے، جس کی بنیاد پر مسلم سوسائٹی کا قیام عمل میں آتا ہے۔ مولانا مودودیؒ رقم فرماتے ہیں:

> ”دراصل اسلام جدید اصطلاح کے مطابق محض ایک مذہب نہیں بلکہ ایک پورا نظام زندگی ہے۔۔۔مانا کہ پھر بھی اسلام ایک رائے ہی ہے مگر یہ وہ رائے نہیں ہے جو زندگی کے کسی دوراز کار پہلو سے تعلق رکھتی ہو بلکہ وہ رائے جس کی بنیاد پر پوری زندگی کا نقشہ قائم ہوتا ہے، جس کے قیام پر تمدن اور ریاست کا قیام منحصر ہے، جس کی بنا پر انسانوں کی ایک جماعت، تمدن کے پورے نظام کو ایک خاص شکل پر قائم کرتی ہے، ایسی رائے اور ایسے نظریہ کو انفرادی آزادیوں کا کھلونا نہیں بنایا جاسکتا۔۔۔ایسی رائے اور ایسی جماعت کو انفرادی آزادیوں کا کھلونا دنیا میں کب کسی نے بنایا ہے اور کون بناتا ہے کہ اسلام سے اس کی توقع رکھی جائے؟“ [12]

اسلام میں مطلق حریتِ فکر اور آزادی ضمیر کا کوئی تصور نہیں ہے بلکہ اسے بعض حدود و قیود سے مشروط کیا گیا ہے جس کی رو سے بعض مقامات پر حریت کی بجائے جبر کرنا بھی مطلوب ہوتا ہے۔ یہی باعث ہے کہ بعض مسلم مفکرین نے اکراہ کو برحق اکراہ اور ناحق اکراہ میں تقسیم کیا ہے چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے نزدیک بعض امور میں ارادہ و اختیار کی بجائے کسی شخص پر جبر و اکراہ کو کام میں لانا برحق ہوتا ہے مثلاً کسی مسلم پر نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے باب میں سختی کرنا، کسی مقروض پر ادائے قرض کیلئے سختی کرنا اور مرتد کو دوبارہ اسلام قبول کرنے پر سختی کرنا برحق ہے اور بعض امور میں اکراہ باطل بھی ہوتا ہے مثلاً کسی شخص کو کفر و معاصی پر مجبور کرنا، ناحق اور باطل اکراہ ہو گا۔[13]

علامہ ابن عاشورؒ کے مطابق کسی مرتد کو سزائے قتل سے دوچار کرنا، دین کے باب میں منفی اکراہ نہیں بلکہ مثبت اکراہ ہے کیونکہ جب تک جرم ارتداد پر موت کی سزا نہ ہو گی، لوگ اس حرکت سے باز نہ آئیں گے چنانچہ ارتداد پر موت کی سزا کا مقصد ہی یہ ہے کہ دین اسلام میں داخل ہونے والا اس شعور اور بصیرت کے ساتھ داخل ہو کہ اسلام سے خروج کا کوئی راستہ نہیں ہے۔[14]

کیا سزائے ارتداد سے قبول اسلام کی راہ مسدود ہو جائے گی؟

سزائے ارتداد کے منکرین کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ جب اسلام کے ضابطہ تعزیرات کی کسی مرتد کو سزائے موت دینا جائز ہے اور جو شخص ایک دفعہ حلقہ بگوش اسلام ہو چکا ہو، اسلام اسے اپنی اتباع پر مجبور کرنے کا حق رکھتا ہے تو آفاقی اور عالمی تناظر میں، یہی حق دیگر مذاہب کو بھی حاصل ہونا چاہیے اور یہ اصول تسلیم کرنا پڑے گا کہ مذہب تبدیل کرنا تمام روئے زمین پر ممنوع قرار پائے اور اس جرم کا

---

[10] ۔ قتل مرتد کی شرعی حیثیت:۲۷؛ The Punishment of Apostasy in Islam: P-130

[11] ۔ جعفر شیخ، ادریس، الاسلام لعصرنا، المنتدی الاسلامی، مطابع اضواء البیان، الطبعۃ الاولیٰ الریاض، 2002ء

[12] ۔ مرتد کی سزا؛ اسلامی قانون میں: 45

[13] ۔ مجموع الفتاویٰ: ۸/۳۶۴، ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، تقی الدین، ابو العباس، دار الوفا، الطبعۃ الثالثہ، 1329ھ

[14] ۔ التحریر والتنویر: 2/319، ابن عاشور، محمد طاہر، مکتبۃ العلوم والحکم، الموصل، عراق

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.3 2021

مرتکب شخص مستوجب قتل ٹھہرایا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ خود تبلیغ اسلام اور اشاعتِ دین کی راہ مسدود ہو کر رہ جائے گی کیونکہ دنیا کے تمام انسان بہر حال، کسی نہ کسی مذہب کے پیروکار ہیں اور سزائے ارتداد کے بین الاقوامی قانون سے نہ صرف کسی مسلم کا مرتد ہونا ممکن نہ رہے گا بلکہ کسی غیر مسلم کا دائرہ اسلام میں داخل ہونا بھی مشکل ہو جائے گا کیونکہ ہر مذہب کے پیروکار بہر صورت، اپنے اجتماعی وجود کی حفاظت کا حق رکھتے ہیں۔[15]

معاصر مفکرین میں سے جو شخص بھی سزائے ارتداد کا حق، دیگر مذاہب کو دینے کا خواہش مند ہے یا اس کے نتیجہ میں اسلام کی راہ مسدود ہونے پر خوف زدہ ہے، وہ شاید مذاہب کی تاریخ خصوصاً تاریخ اسلام سے واقف نہیں ہے ورنہ اسے اچھی طرح یہ معلوم ہوتا کہ غیر اسلامی مذاہب بھی ارتداد کے ممنوع ہونے اور اس کی پاداش میں سزا سنانے کا حق بار بار استعمال کر چکے ہیں مگر ان سزاؤں سے حق کا نور ماند پڑنے کی بجائے دن بہ دن بڑھتا ہی چلا گیا ہے چنانچہ آج بھی جو غیر مسلم ریاست اپنے دستور میں، تبدیلی مذہب کو جرم قرار دینا چاہتی ہے، وہ اپنا یہ حق بڑے شوق سے استعمال کر سکتی ہے اسلام کا یہ حکم ناقابل تغیر رہے گا اور اس باب میں اسلام کسی مصالحت یا مداہنت پر آمادہ نہیں ہو گا۔ آج بھی غیر مسلم ریاستیں اگر اسلام کی تبلیغ یا اس کے قبول کرنے کو جرم قرار دے دیں، جیسے کسی زمانہ میں اسے جرم قرار دے دیا گیا تھا، تب بھی اسلام میں سزائے ارتداد کا فیصلہ تبدیل نہیں ہو گا۔[16]

آج کے جدید ریاستی نظام یا غیر اسلامی مذاہب میں، ارتداد کی سزا کا قانون اگر موجود نہیں ہے تو اس میں اسلام کا کیا قصور ہے؟ اسلام کسی کے آئین اور دستور کو دیکھ کر اپنی روش کا تعین بالکل نہیں کرتا اور نہ اسلام سے کسی شرط پر بھی یہ امید رکھی جا سکتی ہے کہ وہ کسی معصوم سی خواہش کے نتیجہ میں اپنا قانون تبدیل کر دے گا چنانچہ غیر مسلم مقنن بڑے شوق سے یہ قانون بنا سکتے ہیں کہ مذہب تبدیل کرنا قانون جرم ہے اور جو شخص بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گا، اس قسم کے نو مسلم کو تختہ دار پر لٹکا یا دیا جائے گا ہمارے مفکرین کو معلوم رہنا چاہیے کہ اس نوع کے قانون کا اجرائ، محض کوئی خدشہ قبیل کی کوئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ ماضی میں یہ واقعہ رونما بھی ہو چکا ہے کہ اعدائے اسلام نے نو مسلمین کو مشق ستم بنائے رکھا ہے حتی کہ انہیں قبول اسلام کے جرم میں تختہ دار پر لٹکا دیا تھا مگر اس داد و گیر اور دار و رسن کے باوجود، کوئی حرفِ شکایت بھی نو مسلم عشاق کی زبان سے پر جاری ہوا اور نہ ہی اغیار کا یہ قانونی حق اور دستوری عمل اشاعت اسلام کی راہیں مسدود کر سکا ہے۔

اشاعت اسلام کے جن بہی خواہوں کا خیال ہے کہ سزائے ارتداد سے اسلام کی راہ مسدود ہو جائے گی لہٰذا اسے معطل کر دینا زیادہ مناسب ہے ورنہ تبلیغ دین اور قبول اسلام کا راستہ بند ہو جائے گا، ان کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ ساعت بڑی مبارک ساعت ہو گی، جب غیر مسلم ریاستیں، اسلام اور اہل اسلام سے اپنی مشروط رعایتیں واپس لے جائیں گے اور قبول حق کی راہ میں آتش نمرود حائل ہو جائے گی، اسی وقت اسلام کو سچے داعی اور مخلص پیروکار میسر آ سکیں گے، جو طاغوت کا سر نیچا کر کے حق کو اس پر غالب کرنے کے قابل ہوں گے۔[17]

اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے، اسلام کو اپنے حق ہونے کا دعویٰ ہے اور اسلام نے یہ دعویٰ، دلائل و براہین کے ساتھ ہر معقول شخص پر ثابت بھی کر دیا ہے چنانچہ جو شخص بھی قبول اسلام کے بعد، اطاعت حق سے سر موانحراف کرے گا، اسے ترغیب و ترہیب کے ذریعہ آمادہ عمل کیا جائے گا اور جو شخص کسی معصیت پر اصرار کرے گا، اسے کسی نہ کسی نوع کی سزا سے بھی دوچار کیا جا سکے گا اور معتبر علمائے کرام کے نزدیک کسی مسلم کا ارتداد دراصل، حق سے انکار کی ایک بدترین مثال ہے جو حکمتِ شرعیہ سے خروج، سنتِ عادلہ کے ترک اور سیاستِ فاضلہ سے افتراق کے مترادف ہے کہ ایک شخص حق کے قبول و اعتراف اور تسلیم و رضا کے بعد اس سے منحرف ہوتا ہے، اسی باعث وہ قتل کی سخت ترین سزا کا مستحق قرار پاتا ہے۔[18]

اسلام کا مبنی بر حق دین ہونا، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ثابت ہوتا ہے:

ان الدین عند اللہ الاسلام[19]

"بلاشبہ اللہ کے نزدیک دین تو اسلام ہی ہے۔"

اور اسلام کے سوا دیگر تمام مذاہب کا باطل ہونا بھی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ثابت ہوتا ہے:

وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ ٱلإِسْلاَمِ دِيناً فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ[20]

---

[15] ۔ محمد عمار خان ناصر، حدود و تعزیرات: ۵۳، اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد، 2007ء

[16] ۔ Principles of the Criminal Law, by Seymouse F. Harris, London, 1912, P61

[17] ۔ مرتد کی سزا؛ اسلامی قانون میں: 80

[18] ۔ محاسن الشریعۃ، قفال شاشی : 145

[19] ۔ آل عمران:19

"اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہو گا وہ اُس سے ہر گز قبول نہیں کیا جائے گا۔"

مذکورہ بالا دو آیات سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اپنے آپ کو اعلانیہ حق سمجھتا ہے اور غیر اسلام کو برملا باطل قرار دیتا ہے یہی باعث ہے کہ اسلام کے نزدیک حق قبول کرنے والا شخص اور حق چھوڑنے والا شخص قطعاً برابر نہیں ہو سکتے چنانچہ اسلام کے نزدیک باطل سے حق کی طرف آنے والا، لائق تحسین ہو گا اور اس جو شخص کسی کو قبول حق سے روکے گا، وہ قابل مذمت ہو گا مگر جو شخص حق سے باطل کی طرف جائے گا، اسلام کی رو سے اس کی مذمت کی جائے گی اور جو اسے باطل سے روکے گا، وہ قابل مذمت نہیں بلکہ حق کی دنیا میں قابل تعریف ہو گا۔[21]

اسلام ترک کر کے ارتداد کا مرتکب ہونا، دراصل حق کے بعد باطل کو اختیار کرنا ہے اور باطل کا انتخاب اصل میں اپنے مقصدِ تخلیق سے انحراف ہے اور مقصدِ تخلیق سے اغماض یا انحراف پر دنیوی سزا میں کوئی نہ کوئی حکمت الٰہی کار فرما ہوتی ہے۔ علامہ ابن قیمؒ نے اس پر یہ مثال پیش فرمائی ہے کہ جیسے کسی بادشاہ کے پاس غلام ہوں اور وہ غلام اس کی خدمت اور قربت اور عنایت کے متلاشی رہتے ہوں مگر بعض غلام اس کی خدمت سے انکار کر دیں اور بادشاہ، اپنے فرماں بردار غلاموں کو نافرمان غلاموں پر مسلط کر دے کہ ان کا جان و مال تم پر مباح ہے اور یہ تمہاری اطاعت کا صلہ ہے اور ان کے تکبر کی سزا ہے بالکل یہی مثال ارتداد کے باب میں مومنین اور مرتدین کی ہے۔[22]

چنانچہ جس مرتد کو اسلام کے بعد کوئی عقیدہ و مذہب برحق معلوم ہوتا ہے، اسے اخلاقی جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے، اس راہ کے ہر کانٹے اور پتھر کو عزم و ہمت سے برداشت کرنا چاہیے جس طرح ایک نو مسلم راہِ حق کی صعوبت و مشقت کو برداشت کرتا ہے اور سب کچھ اجر و ثواب کی امید پر برداشت کرتا ہے ورنہ اس مرتد کا غیر اسلام کو حق سمجھنا درست نہیں ہے یا اس راہِ حق کی مصیبت پر واویلا کرنا غلط ہے اور ظاہر ہے کہ غیر اسلامی مذہب کا حق ہونا ہی درست نہیں ہے۔

کیا رسول یا موت کے بعد ہی مرتد پر حجت تمام ہو گی؟

سزائے ارتداد کے منکرین کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ کسی شخص پر اتمام حجت کے بعد ہی ارتداد کا حکم عائد ہو گا اور کسی قوم یا شخص پر حجت تمام ہونے کا فیصلہ کوئی عام انسان کیا کرے گا، یہ منصب کسی رسول کو بھی حاصل نہیں ہے بلکہ اس کا فیصلہ خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کس پر اتمام حجت ہو چکا ہے اور کس کا قانونِ امہال ختم کر دیا گیا ہے اس نقطہ نظر کے قائل مفکرین کا خیال یہ ہے کہ ارتداد کا قتل، کوئی مستقل شرعی ضابطہ نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق صرف بنو اسماعیل کے مشرکوں سے تھا کہ بنو اسماعیل میں سے جو شخص اسلام قبول نہیں کرے گا، اسے موت سے دوچار کر دیا جائے گا یا ان میں سے جو شخص، قبول اسلام کے بعد مرتد ہو گا، اسے بھی قتل کیا جائے گا۔ ان مفکرین اس فلاسفی کا باعث یہ ہے کہ پیغمبر کے ذریعہ مشرکین بنو اسماعیل پر حجت تمام ہو چکی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان پر موت کا فیصلہ صادر کر دیا تھا اور قبول اسلام کے سوا، انہیں زندہ رہنے کی گنجائش باقی نہ رکھی البتہ پیغمبر کے بعد کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے خصوصاً آج کے دور میں اتمام حجت کی وہ معاون اور ساز گار فضا میسر نہیں ہے، جو آپ ﷺ کے عہد میں موجود تھی اس کا حاصل یہ ہے کہ اب کسی شخص کو اس کی موت کے بعد ہی مرتد قرار دیا جا سکے گا کیونکہ اپنی خطا پر نظر ثانی کا چانس، زندگی کے آخری سانس تک موجود ہوتا ہے اور زندگی میں اس پر حجت تمام ہونے کا فیصلہ کرنا ہمارا نہیں بلکہ اللہ کا کام ہے۔[23]

مذکورہ بالا فلسفہ اتمام حجت کا مدعا یہ ہے کہ مرتد کو مہلت دی جائے گی تاکہ اس کے شبہات دور ہو جائیں اور مرتد کو یہ مہلت اتمام حجت تک دی جائے گی اور اتمام حجت کا فیصلہ رسول کے علاوہ کوئی نہیں کرے گا، اب قیامت تک کوئی رسول نہیں آئے گا اور رسول کے علاوہ مرتد پر اتمام حجت بھی نہیں ہو گا اور اسے موت کی سزا بھی نہیں دی جائے گی گویا ارتداد کا سفر اس کی موت کے بعد شروع ہو گا۔

اتمام حجت کیا چیز ہے اور اس کا وقوع کیسے ہوتا ہے؟ کیا محض ابلاغ دعوت سے مخاطب پر حجت تمام ہو جائے گی یا مخاطب کے جملہ شکوک و شبہات کو رفع کرنا بھی اتمام حجت کا لازمہ ہے؟ اتمام حجت کا معیار کیا ہو گا؟ کیا کسی شخص کا عقل و شعور کی بنا پر مسلمان ہونا اس پر اتمام حجت کا نتیجہ سمجھا جائے گا اور اس کا شک و شبہ کی بنیاد پر اسلام کو ترک کر دینا، پہلے اتمام حجت کو زائل کر دے گا؟ اتمام حجت کا رسول سے کیا تعلق ہوتا ہے؟ کیا رسول کا وجود کسی پر حجت تمام کرتا ہے اور رسول کے بعد اتمام حجت، حالات و ظروف سے متاثر ہو جاتا ہے یا رسول کا پیش کردہ آسمانی پیغام بھی فیصلہ کن حجت ہوتا ہے اور زمان و مکان کے تغیرات سے بالاتر ہوتا ہے؟

---

[20]۔ آل عمران 85

[21]۔ مرتد کی سزا؛ اسلامی قانون میں: 51

[22]۔ ابن قیم، مختصر الصواعق المرسلۃ:67

[23]۔ جاوید احمد غامدی، برہان، 139؛ نجات اللہ صدیقی، اسلام معاشیات اور ادب: ۴۱۴؛ قتل مرتد کی شرعی حیثیت: رحمت اللہ طارق:21

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

اگر اتمام حجت کا فلسفہ محض رسول کے وجود ہی سے منسلک ہوتا ہے اور اس میں خدائی کلام یا دعوتی پیغام کا کوئی دخل نہیں ہوتا اس کا منطقی نتیجہ یہی بنتا ہے کہ قیامت تک انبیاء ورسل، یکے بعد دیگر تشریف لاتے رہیں اور اپنے وجود مبارکہ سے بنی نوع انسان پر حجت تمام کرتے رہیں مگر ہمارا واقعاتی دنیا میں عملی مشاہدہ اس کے برخلاف ہے اور قرآنی بیان کے مطابق، آپ کو آخری پیغمبر ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اب جب کہ تمام تر اتمام حجت، سراپائے رسول ہی سے منسلک ہے، اس صورت میں عقلا یہ ضروری تھا کہ آپ قیامت تک اپنی امت میں زندہ اور موجود رہیں تا کہ ابنائے آدم پر اتمام حجت کا سامان کرتے رہےں مگر واقعاتی شہادت یہ ہے کہ انبیاء ورسل کا سلسلہ بھی منقطع ہو چکا ہے اور آخری رسول بھی چودہ صدیاں پہلے انتقال فرما چکے ہیں چنانچہ اتمام حجت کے قائلین کی خدمت میں ہمارا سوال یہ ہے کہ قیامت تک کی انسانیت کیلئے اتمام حجت کیا چیز ہو گی؟ اسی ایک سوال کے جواب پر، فلسفہ اتمام حجت کی حقیقت بے نقاب ہو جائے گی اور سزائے ارتداد سے اتمام حجت کا نام نہاد تعلق بھی دم توڑ جائے گا۔

قرآن حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی تاریخ کے ہر عہد میں، انبیاء ورسل کے ذریعہ ابنائے آدم پر اتمام حجت کا اہتمام کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء ورسل کو مبعوث کر کے حضرت انسان پر اپنی حجت تمام کر دی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

رُّسُلاً مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلاَّ يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى ٱللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ ٱلرُّسُلِ [24]

”(سب) پیغمبروں کو (اللہ نے) خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے (بنا کر بھیجا تھا) تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کو اللہ پر الزام کا موقع نہ رہے۔“

اللہ تعالیٰ نے اہل دنیا کو متنبہ کر دیا تھا کہ ہمارے پیغمبروں کے ذمہ محض ابلاغ مبین ہے۔ اور انبیاء ورسل بھی اپنے اپنے دور میں ابلاغِ دعوت ہی سے بنی نوع انسان پر اتمام حجت کا سامان کرتے رہے ہیں جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَٱعْلَمُوۤاْ أَنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا ٱلْبَلاَغُ ٱلْمُبِينُ [25]

”تو جان رکھو کہ ہمارے پیغمبر کے ذمے تو صرف پیغام کا کھول کر پہنچا دینا ہے۔“

چنانچہ جس قوم میں براہ راست رسول مبعوث ہوتا ہے، اس پر ابلاغِ دعوت بذریعہ رسول، اتمام حجت کیا جاتا ہے اور جن اقوام میں براہ براست رسول مبعوث نہیں ہوتا یا جو اقوام رسول کے بعد آئیں گی، ان پر ابلاغِ دعوت بذریعہ قرآن، اتمام حجت کیا جائے گا قرآن کریم کے حجت ہونے پر رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی دال ہے:

والقرآن حجة لک او علیک۔"

قرآن کریم کی رو سے، رسول اللہ ﷺ کے بعد امت اسلامیہ نبوی مشن اور الٰہی پیغام کے ابلاغ کی ذمہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِّتَكُونُواْ شُهَدَآءَ عَلَى ٱلنَّاسِ وَيَكُونَ ٱلرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً [26]

”اور اسی طرح ہم نے تم کو امتِ معتدل بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخر الزماں) تم پر گواہ بنیں۔“

مذکورہ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کی بعثت کے علاوہ، اسلام کی دعوت بھی اپنے اندر حجت کا سامان رکھتی ہے، خصوصاً ارتداد کے مرتکب پر بہر حال حجت تمام ہو جاتی ہے، تبھی وہ اپنے ارادہ و اختیار اور شعور آگہی کے ساتھ دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے۔ مگر وہ اسلام کی حقانیت سے واقف ہو کر اور اس کا اعتراف کر کے جب اسے ترک کرتا ہے گویا وہ بھی اپنے کردار و عمل سے مشرکین عرب کے مماثل ہو جاتا ہے، جنہیں اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں قتل کرنا تجویز کیا گیا، تھا اسی طرح مرتد بھی سزائے قتل کا مستحق بن جاتا ہے۔[27]

اسلامی شریعت کے متعلق یہ ایک غیر معقول رویہ ہو گا کہ پیغمبر اسلام کے بعد قرآن وسنت میں، اپنے مخاطبین پر حجت ہونے کا سامان میسر نہیں ہے یا قرآن وسنت اپنے تمام تر وضوح کے باوجود کسی مرتد پر حجت تمام کرنے میں ناکام رہے ہیں۔

سزائے ارتداد کے باب میں اتمام حجت کے قائل جدید مفکرین نے جو یہ عذر پیش کیا ہے کہ آج کے دور میں ایمان واسلام کے متعلق، اتمام حجت کی وہ ساز گار اور معاون فضا میسر نہیں ہے، جو آپ کے عہد مبارکہ میں موجود تھی چنانچہ مرتد کو زندگی کے آخری لمحہ تک نظر ثانی کا اختیار دینے کی ضرورت ہے۔ ان حضرات کی خدمت میں یہ گذارش ہے کہ حقیقی صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے، رسول اللہ ﷺ کا عہد ابتدائے اسلام کا عہد تھا، لوگ اسلام سے پورے طور پر واقف تھے اور نہ انہیں علم و آگہی کے جدید وسائل ہی دستیاب تھے چنانچہ ان کا اسلام کے متعلق کسی شبہ میں مبتلا ہو جانا کسی اچنبھے کی بات نہ

---

[24]۔ النساء: 165

[25]۔ المائدہ:92

[26]۔ البقرۃ:143

[27]۔ المبسوط:10/117، سرخسی، شمس الدین، العلامۃ، مطبعۃ السادات، القاہرۃ، 1324ھ؛ الام:2/256، شافعی، محمد ابن ادریس، ابو عبداللہ، دارالمعرفۃ، بیروت، 1339ھ

تھی۔ مرتد سے استتابہ کے عدم قائلین کے نزدیک یہی سبب ہے کہ اس دور میں ان پر دوبارہ اسلام پیش کیا جاتا تھا اور انہیں غور و فکر اور رجوع و توبہ کا موقع دیا جاتا تھا جبکہ ہمارے زمانہ میں اسلامی معلومات انتہائی وسیع، دین بہت مستحکم اور حق بالکل واضح ہو گیا ہے۔ لہذا جو شخص بھی اب، ایمان کے بعد ارتداد کا مرتکب ہو گا، وہ جان بوجھ کر اس جرم کا ارتکاب کرے گا یا اسے کوئی شبہ لاحق ہو گا، مرتد کو شبہ لاحق ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ غور و فکر کے لیے موقع طلب کرے گا اور جو شخص اپنے عمل پر مہلت فکر کا طالب نہیں ہے، صاف ظاہر ہے کہ وہ اپنے جرم پر شرح صدر کے ساتھ آمادہ اور اپنے ارتدادی عمل پر ہٹ دھرمی کے ساتھ مصر ہے، اس صورت میں اسے نظر ثانی کا موقع نہ دینا اور اسی مجلس میں اسے قتل کرنے پر کوئی مضائقہ نہیں ہو گا۔[28]

گویا فقہائے کرام نے ارتداد کے باب میں مجرم کو جس مہلت فکر کی جو بات کی ہے، اس سے ایک مرتد کو، دراصل اپنے عمل پر نظر ثانی کا موقع فراہم کرنا اور علمی بنیاد پر اس کے شبہ کا ازالہ کرنا ہی مقصود تھا مگر جب حالات و ظروف شاہد ہوں کہ سنگریزہ اسلامی سماج میں تحلیل ہو کر دوبارہ سنگریزہ بن گیا ہے اور اپنے اس رویہ اور عمل سے اس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ سرے سے اس نظام میں حل ہونے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا، اس کا یہی علاج ہے کہ اسے سماج سے نکال باہر پھینک دیا جائے کیونکہ اس قسم کے عناصر سے خیر کی توقع رکھنا عبث ہے، جو ایک بار اپنی ماہیت کے تبدیل اور تحلیل ہونے کے بعد دوبارہ، سنگریزے بن جائیں اور اس پر اصرار بھی کریں اور آمادہ اصلاح بھی نہ ہوں۔

کیا دنیا میں فکری جرم قابل مواخذہ نہیں ہے؟

سزائے ارتداد کے منکرین کا ایک اعتراض یہ ہے کہ بنیادی طور پر جرم کی دو اقسام ہیں؛ جرم بمقابلہ انسان اور جرم بمقابلہ خدا۔ انہیں ہم معاشرتی جرم اور فکری جرم سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ دونوں کا معاملہ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ جرم بمقابلہ خدا اگرچہ ٹھاٹ کرائم کی حیثیت رکھتا ہے مثلاً انسان کا اللہ کے متعلق غلط عقیدہ رکھنا، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، انسان کو اللہ کا بیٹا قرار دینا وغیرہ۔ یہ اللہ کے نزدیک قابل سزا کرائم ہیں اور جو لوگ اسی عقیدہ پر مریں گے، وہ آخرت میں اللہ کی سزا کے مستحق قرار پائیں گے۔ جرم بمقابلہ خدا میں سزا کا اختیار صرف اللہ کو حاصل ہے۔ اس کا فیصلہ کرنا انسانی عدالت کا کام نہیں ہے کیونکہ اسلام میں سماجی جرم کا تصور ہے مگر اس میں فکری جرم کا کوئی تصور نہیں ہے۔[29]

مولانا وحید الدین خاں نے مذکورہ بالا مضمون، سزائے ارتداد کی تردید میں قلم بند کیا ہے اور اپنے اس مضمون کو ضمیر کی آزادی کا عنوان دیا ہے۔ علامہ خاں صاحب کے علاوہ مولانا محمد تقی امینی کا موقف بھی یہ ہے کہ مذہب تبدیل کر کے، اسلام کے بعد کفر اختیار کرنا شریعت کی نگاہ میں بلاشبہ ایک بڑا گناہ ہے مگر اس گناہ کا معاملہ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ہے۔[30]

پہلی بات یہ ہے کہ مولانا خاں صاحب کا جرائم کو فکری جرم اور معاشرتی جرم میں تقسیم کرنا اور فکری جرم پر دنیوی سزا کا قائل نہ ہونا بلکہ اس کی بنیاد پر سزائے ارتداد ہی سے انکار کر دینا، اسلامی تاریخ میں جرائم کی بالکل ایک نئی تقسیم ہے اور اسلام کے چودہ سو سالہ قانونی اور فقہی ورثے میں سے کسی ایک محدث دوراں، کسی ایک فقیہہ امت، کسی ایک مسلم دانشور اور اسلامی سکالر کا نام تک پیش کرنا ممکن نہ ہے، جو مولانا سے قبل اسلام کے فوجداری قانون کی رو سے، جرائم کی دنیا میں فکری جرم اور معاشرتی جرم کی تقسیم کا قائل ہو اور اس کے نتیجہ میں سزائے ارتداد ہی سے منکر ہو اس بنا پر مقالہ نگار کے نزدیک مولانا کی اس تقسیم کو قانونی بدعت سے تعبیر کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مولانا خاں صاحب نے شاید، فکری اور معاشرتی جرم اور اس کی سزا میں اس بنا پر فرق کیا ہے کہ اسلام نے عقیدہ و فکر کے باب میں کفر و شرک جیسے کبیرہ جرائم پر بھی دنیا میں کوئی سزا نہیں رکھی بلکہ اس پر اخروی عذاب کی وعید سنائی ہے اور مولانا کے نزدیک ارتداد کا جرم اپنی نہاد کے اعتبار سے کفر ہی کا جرم ہے، جو کسی شخص کے عقیدہ و فکر سے متعلق ہے چنانچہ اس پر بھی دنیا میں کسی سزا کا جواز نہیں ہے۔ اس خلطِ مبحث کا جواب مقالہ نگار نے مضمون ہذا کے آغاز میں پیش کر دیا ہے کہ اسلام کے فوجداری قانون کی رو سے ایک کافر اور مرتد کا معاملہ باہم مختلف کیوں ہے اور اسلام میں ہر دو کے ساتھ علیحدہ علیحدہ سلوک کیوں کیا جاتا ہے؟ تاہم اس مقام پر اختصار کے ساتھ یہ عرض کر دینا مقصود ہے کہ ایک مفتی صاحب سے کسی شخص نے سوال کیا کہ ایک مسلم کا اپنے دین سے برگشتہ ہو جانا، اسلام کی رو سے دنیا میں موجب سزا جرم ہے یا نہیں؟ مفتی صاحب نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اسلام کی رو سے اللہ کا انکار کرنا دنیا میں موجب سزا جرم نہیں ہے، سائل کے جواب میں حضرت کا یہ ارشاد، سوال گندم اور جواب چنے کی کہاوت کے مصداق ہو گا۔ جناب خاں صاحب کا حال بھی اس مفتی جیسا ہے جو ارتداد کے جرم کو کسی کافر کے انکار پر قیاس کر رہے ہیں اور اصول فقہ کی زبان میں اسے قیاس مع الفارق کہتے ہیں۔[31]

---

[28] ۔ جرم ارتداد اور اس کی اسلامی سزا:104؛ مرتد کی سزا؛ اسلامی قانون میں: 27

[29] ۔ وحید الدین خاں، مولانا، اظہار دین:55، مکتبہ قاسم العلوم، لاہور

[30] ۔ امینی، محمد تقی، مولانا، احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت: ۲۵ سندھ ساگر اکادمی، لاہور، 1969ء

[31] ۔ ڈھلوں، عرفان خالد، ڈاکٹر، علم اصول فقہ ایک تعارف: ا، شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد، 2006ء

JAHAN E TAHQEEQ
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.3 2021

جرم ارتداد اور اس کی سزا پر ادنی تامّل سے بھی واضح طور پر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ارتداد کا جرم معاشرے میں فتنہ واضطراب کا باعث بنتا ہے، اس سے ملی توہین اور ذہنی کوفت پیدا ہوتی ہے اور یہ معاشرتی فساد اور ریاستی غدر پر مبنی ایک فعل ہے، جس کی سزا موت کے علاوہ کچھ نہیں ہے مگر اس کے بر عکس، کسی کافر کا معاملہ براہ راست خدا سے ہوتا ہے، یہی باعث ہے کہ اسلام کے فوجداری قانون میں، جرمِ کفر یا جرمِ شرک کا ذکر نہیں ہے مگر جرمِ ارتداد کا نہ صرف تذکرہ موجود ہے بلکہ اس کی تمام تر تفصیلات بھی دستیاب ہیں گویا جرمِ کفر یا جرمِ شرک کے ارتکاب پر کسی کافر و مشرک کو دنیا میں کوئی سزا نہیں دی جائے گی بلکہ اس کا معاملہ آخرت پر اٹھار کھا جائے گا جبکہ جرمِ ارتداد کے ارتکاب پر ایک مرتد کو دنیوی سزا سے بھی دوچار کیا جائے گا۔ مرتد کو موت کی یہ سزا، اس کے جرمِ کفر کی پاداش میں نہیں بلکہ اسلام سے برگشتہ ہونے کی پاداش میں ہے کیونکہ اسلام کا فوجداری قانون کسی کے جرمِ کفر سے در گزر کرتا ہے مگر اسلام کے نزدیک کسی کا جرمِ ارتداد ایک قابل گردن زنی فعل ہے۔[32]

دوسری بات یہ ہے کہ مولانا خاں صاحب کی پیش کردہ فکری اور معاشرتی جرم کی تقسیم کو بہ فرضِ محال تسلیم کرنے کے باوجود، اسلامی ادب کے تمام ورثے اور دینی علوم کے جمع ذخیرے میں، اس خود ساختہ اصول پر کوئی ایک مثال بھی پیش کرنا قریب قریب ناممکن ہے، جس سے مولانا کے اس مقدمہ کو تائید حاصل ہوتی ہو کہ ارتداد جیسا فکری اور اعتقادی جرم، اسلامی ضابطہ فوجداری کے تحت دنیا میں قابل گردن زنی یا موجب سزائے موت نہیں ہے بلکہ قرآن وسنت کے نصوص، صحابہ کرام کے اجماع اور خلفائے راشدین کے عمل سے، اس کے بر خلاف مواد دستیاب ہے، جو اس فکر کے تار و پود بکھیرنے کو کافی ہے۔ سزائے ارتداد پر مبنی قرآن وسنت کے دلائل، اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ گزشتہ صفحات میں گزر چکے ہیں اور اس مقام پر ان کے اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی اس باب کی فیصلہ کن روایات میں کسی دور از کار اور بعید از قیاس، تاویلات باطلہ کی گنجائش موجود ہے۔ خصوصاً دنیا میں سزائے ارتداد پر مبنی حدیث اپنے موضوع پر انتہائی واضح اور غیر مبہم ہے۔ جناب عبد العظیم مطعنی رقم فرماتے ہیں:

> "ان صیاغة الحدیث نقسہ واضحة لا تحتاج الی تاویل، لان مثل ھذا غنی عن التاویل، و علماء الامة متفقون علی ان النص الواضح الّذی لا یمنع من العمل بظاھرہ مانع شرعی و عقلی یجب بقائہ ، علی ظاھرہ و لا یجوز صرفہ عن ظاھرہ ابداً۔"[33]

"حدیث کا سیاق اپنے حکم میں بالکل واضح ہے اور کسی تاویل کا محتاج نہیں ہے۔ اس قسم کی نظیر، کسی تاویل سے بے نیاز ہوتی ہے اور علمائے امت کا اتفاق ہے کہ جس واضح نص کے ظاہر پر عمل کرنے میں شرعاً اور عقلاً کوئی مانع موجود نہ ہو، اسے ظاہر پر باقی رکھنا واجب ہوتا ہے اور کسی صورت بھی اسے ظاہر سے پھیرنا (تاویل کرنا) جائز نہیں ہے۔"

تیسری بات یہ ہے کہ مولانا خاں صاحب نے ارتداد کو فکری اور اعتقادی جرم قرار دے کر، حیات انسانی میں عقیدہ و فکر کی اہمیت کم کرنے کی نادانستہ جسارت کی ہے، ورنہ کیا انہیں معلوم نہیں ہے کہ اجتماعی سطح پر عقیدہ و فکر ہی قوم کی اصل و اساس ہوتا ہے، اسی سے قومیں وجود پاتی ہیں اور انہی کے بل بوتے پر زندہ رہتی ہیں اور عقیدہ و فکر سے تہی دامن ہو کر اپنا علیحدہ قومی تشخص کھو بیٹھتی ہیں۔ جو شخص ذاتی حیثیت سے بلند ہو کر قومی سطح پر سوچے گا، اسے عقیدہ و فکر کی معنویت کا صحیح اور درست ادراک ہو جائے گا۔ اسلام بھی اگرچہ ایک مخصوص عقیدۂ فکر اور نظریہ حیات کا نام ہے تاہم یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلام محض ایک عقیدہ، مجرد ایک فکر اور فقط ایک رائے نہیں ہے، جس کا کسی صورت میں موجود ہونا یا نہ ہونا برابر ہوتا ہے یا موجود ہو کر تبدیل ہو جانا کوئی معنی نہیں رکھتا ہے بلکہ اسلامی عقیدہ و فکر، انسانی حیات کو ایک مخصوص سانچے میں ڈھال دیتا ہے، معاشرتی تمدن میں قوتِ متحرکہ کا کام کرتا ہے اور ریاستی نظام کو مضبوط بنیادیں فراہم کرتا ہے۔ اسلامی عقیدے کا حسن یہ ہے کہ اس سے بیک وقت فرد، معاشرہ اور ریاست بڑی حد تک متاثر ہوتے ہیں چنانچہ اسلام نے اس عقیدہ فکر اور نظریہ حیات سے ارتداد کی سزا، موت کی صورت میں تجویز کی ہے۔ تاکہ تمام معاشرتی عناصر اور ریاستی ارکان، ہمہ جہت انتشار فکری سے محفوظ رہیں۔ ڈاکٹر عثمان علی حسن رقم طراز ہیں:

> فالردة لیست مجرد موقف عقلی، لکی یقتصر الحدیث فیھا علی مناقشة مبدا حریة الاعتقاد، بل ھی ایضا تغییر للولائ، و تبدیل للھویة، و تحویل للانتمائ۔ فالمرتد ینقل ولاءہ وانتماءہ من امة الی امة اخری، ومن وطن الی وطن آخر، ای من دار الاسلام الی دار اخری، فھو یخلع نفسہ من امة الاسلام التی کان عضوا فی جسدھا، و ینضم بعقلہ و قلبہ وارادتہ الی خصومھا۔[34]

تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں کوئی نظم اجتماعی اپنے نظریہ حیات سے غداری گوارہ نہیں کرتا بلکہ خود ہمارے اس عہد میں بھی ایک نظریاتی مملکت اپنے اساسی نظریہ سے بغاوت کو ایک لمحہ کیلئے بھی

---

[32]۔ جرم ارتداد اور اس کی اسلامی سزا:22

[33]۔ عقوبة الارتداد عن الدین بین الادلة الشریعة وشبھات المنکرین:40

[34]۔ عثمان علی حسن، الدکتور، الحریة الدینیة وعقوبة الردة؛ مناقشات ورود، مکتبة المھتدین الاسلامیة لمقارنة الادیان، قطر:196

برداشت نہیں کرے گی۔ اشتراکی نظریہ کی بنیاد پر قائم شدہ حکومتیں، عہد حاضر میں تاریخ اقتدار کی کامیاب ترین حکومتیں تصور کی جاتی ہیں، اس کا باعث یہ ہے کہ عمال حکومت میں ایک چپراسی سے لیکر صدر مملکت تک، جو اشتراکی نظریہ کے خلاف ایک لفظ بھی اپنے قلم یا زبان سے ادا کرنے کا مجاز نہیں ہے اشتراکی نظریہ مملکت میں ریاست سے اس قسم کے اختلاف کی سزا، قائل کی موت یا جلاوطنی پر منتج ہوتی ہے کیونکہ علمِ سیاسیات کا یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ ریاستی استحکام کیلئے نظریاتی مملکت کے جملہ ارکان اور جمیع عناصر کا نظریہ مملکت سے ہم آہنگ ہونا ضروری ہے اور جب تک نظریاتی مملکت کے افراد خصوصاً ارباب حل وعقد، اپنے نظریہ حکومت میں ہم آہنگ نہ ہوں گے، کوئی نظام پائیدار بنیادوں پر استوار نہیں ہو سکے گا یہی باعث ہے کہ ملتِ اسلامیہ میں کسی مسلمان کا اپنے نظریہ حیات سے بغاوت کرنا اور دینِ اسلام سے برگشتہ ہو جانا بالکل بھی گوارہ نہیں ہے اور نہ کسی شخص کو اپنا عہد توڑنے کی اجازت ہے، جو اس نے قبولِ اسلام کی صورت میں اسلامی نظریہ حیات سے باندھا تھا۔[35]

بہر حال، اسلام میں سزائے ارتداد کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اسلام اپنے پیروکاروں کیلئے مذہب کی بنیاد پر ریاست کی تشکیل کرتا ہے اور اسلامی ریاست کے سیاسی وسماجی دائرہ میں مذہب کو ایک مرکز ثقل کی حیثیت حاصل ہے چنانچہ اسلام اپنی حدود مملکت میں ارتداد کے جرم پر سزائے موت کا حکم نافذ کرتا ہے کیونکہ اس کے نزدیک مرتد ہونے والا شخص اصولاً، اس نظریہ مملکت، اس نظام حیات اور اس لائحہ عمل کا انکار کرتا ہے، جس کی بنیاد پر ریاست کی تشکیل وجود میں آئی ہے گویا کسی کا ارتدادی عمل اسلام کے نزدیک، سیاست شرعیہ میں ایک بڑا فتنہ قرار پایا جاتا ہے اور اسلام نے اس فتنے کا سدباب، سزائے ارتداد کی صورت میں کیا ہے۔[36]

عہد حاضر میں قانون وسیاست کے ماہرین بھی جدید ریاست کا یہ حق تسلیم کرتے ہیں کہ وہ مملکت کے اجزائے ترکیبی سے مخالفت کو جرم قرار دے کر، اپنے شہری کو حبس دوام یا سزائے موت دینے کی مجاز ہے، مقالہ نگار کے خیال میں انہی ماہرین کو یہ اعتراض کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ مسلم ریاست کے شہری کو ارتداد کی اجازت کیوں نہیں ہے؟ اور اسلامی نظریہ حیات پر قائم ریاست، کسی مرتد کو سزائے قتل سے دوچار کیوں کرتی ہے؟

تمہاری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی

وہ تیرگی جو مرے نامہ سیاہ میں تھی [37]

جدید ریاستی بندوبست اور اس کے حق دفاع وتحفظ کے تناظر میں، مولانا وحید الدین اور ان کے ہمنواؤں کی خدمت میں مضمون نگار یہ سوال پیش کرنا چاہے گا کہ جو نظریاتی ریاست کسی خطہ زمین پر عملاً اپنی حاکمانہ حیثیت میں قائم ہو، کیا اپنے وجود کے تحفظ اور بقا کی خاطر بعض افعال کو جرم قرار دینے کا حق رکھتی ہے یا نہیں؟ جن کی وجہ سے ریاست کا نظم اجتماعی منتشر ہوتا ہو؟ اس کا جواب ظاہر ہے کہ دنیا میں ہر ریاست اس حق کو استعمال کرتی ہے، زمانہ ماضی اور عہد موجود اس حقیقت پر گواہ ہیں کہ دنیا میں کوئی ریاست موجود نہیں ہے جس نے اپنا یہ دفاعی حق استعمال نہ کیا ہو۔ جناب کسی سوشلسٹ اور فاشسٹ ریاست کی بجائے جمہوری ریاستوں ہی کا مطالعہ کر کے بتادیں کہ آیا وہ اپنے اس حقِ حفاظت کو استعمال نہیں کر رہی ہیں؟ اسی سے متعلقہ ایک دوسرا سوال جناب مولانا کی خدمت میں یہ ہے کہ جس خطہ ارضی پر مذہب اپنی حاکمانہ حیثیت میں قائم ہو، مذہب ہی ریاست کا ملکی قانون ہو، مذہب ہی امن وامان کے قیام کا داعی ہو اور مذہب ہی جان ومال کی حفاظت کا ذمہ دار ہو، سوال یہ ہے کہ اس ریاست میں مذہب اپنے مرتدین کو سزا دینے کا حق رکھے گا یا نہیں؟ جو اس کی اطاعت اور وفاداری کا عہد کر کے اس سے پھر جائیں گے؟[38]

مقالہ نگار کے نزدیک اس سوال کا جواب اثبات میں ہے، کیا سزائے ارتداد کے منکرین کا جواب نفی میں ہے؟ اگر نہیں ہے اور یقیناً اس کا جواب نفی میں نہ ہو گا، ہم دست بستہ اپیل کریں گے کہ ارتداد کے فکری اور اعتقادی جرم کو دنیوی سزا کا موجب قرار نہ دینے پر وہ نظر ثانی فرمائیں اور اپنے اس موقف سے رجوع کریں اور اگر وہ ہمارے مذکورہ سوال کا جواب نفی میں دیتے ہیں، تب مقالہ نگار اپنی تحقیق وجستجو کا سفر جاری رکھے گا اور یہ معلوم کرنا چاہے گا کہ مذہبی ریاست کے مذکورہ حق دفاع اور حق حفاظت پر انہیں کیا اعتراض ہے اور اس اعتراض کی بنیاد کون سے دلائل ہیں؟

خلاصہ کلام:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جرم وسزائے ارتداد کے منکرین، جرم ارتداد اور اس کی سزا پر جو بھی اعتراض کرتے ہیں، وہ اسلام کو محض ایک بے جان مذہب اور زندگی سے لاتعلق مجموعہ عبادت سمجھ کر کرتے

---

[35]۔ جرم ارتداد اور اس کی اسلامی سزا:107

[36]۔ اسلامی قانون ارتداد:۷،۸، تنزیل الرحمن، مکتبہ خدام القرآن، قرآن اکیڈمی، لاہور

[37]۔ ناصر زیدی، غلطی ہائے اشعار، 24 فروری 2016ء، روزنامہ پاکستان۔ مذکورہ شعر راولپنڈی کے ایک جوان مرگ شاعر محمد صدیق ضیاء کا ہے۔

[38]۔ مرتد کی سزا؛ اسلامی قانون میں: 52

JAHAN E TAHQEEQ
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.3 2021

ہیں مگر سزائے ارتداد کے قائل مفکرین سزائے ارتداد کو برحق ثابت کرنے پر جو دلائل دیتے ہیں، وہ ایک مجرد مذہب کو نہیں بلکہ ایک مکمل ریاست اور اس کے اجتماعی نظم کو پیش نگاہ رکھ کر جواب دیتے ہیں، جس کی بنیادیں ایک دین اور اس کے فراہم کردہ اصول حیات پر استوار ہوتی ہیں۔ مقالہ نگار کے نزدیک جس خطہ ارضی پر اسلام اپنی حاکمانہ حیثیت میں ریاستی سطح پر قائم نہیں ہو گا، اس ملک میں سزائے ارتداد کے نفاذ کا بھی جواز نہیں ہے اور تنہا سزائے ارتداد ہی پر کیا موقوف، ان حالات وظروف میں اسلام کے دیگر تعزیری احکام میں سے کوئی ایک حکم بھی نافذ نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس قسم کے اسلامی احکام کا اصل مخاطب اور مکلف، اہل اسلام کا اجتماعی نظم یا اسلامی ریاست ہے تاہم فقہ و قانون اور علم وفکر کی حد تک یہ اصول بہر صورت اپنی مسلمہ حیثیت میں موجود رہے گا کہ اسلام کے فوجداری قانون کی رو سے، ارتدادی عمل ایک قابل گردن زنی جرم ہے اور کسی خطہ ارضی پر جب بھی اہل اسلام کا نظم اجتماعی وجود میں آئے گا، وہ اسلام کے دیگر تعزیر ی احکاماتِ کے ساتھ ساتھ سزائے ارتداد کو روبہ عمل لانے کی پابند ہو گی۔